

غلطیوں کو معاف کرنا



خرم مراد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشِرَارِکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی اِنْ شِئْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ: اِنَّ شِرَارَکُمُ الَّذِیْ یَنْزِلُ وَحْدَهٗ وَیَجْلِدُ عَبْدَهٗ وَیَمْنَعُ رِفْدَهٗ. قَالَ: اَفَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ؟ قَالُوْا بَلٰی اِنْ شِئْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: مَنْ یُّبْغِضُ النَّاسُ وَیُبْغِضُوْنَهٗ قَالَ: اَفَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ؟ قَالُوْا بَلٰی اِنْ شِئْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ: اَلَّذِیْ لَا یَقِیْلُوْنَ عَثْرَةً وَّلَا یَقْبَلُوْنَ مَعْذِرَةً وَلَا یَغْفِرُوْنَ ذَنْباً. قَالَ: اَفَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ؟ قَالُوْا بَلٰی اِنْ شِئْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ: مَنْ لَا یُرْجٰی خَیْرُهٗ وَلَا یُؤْمَنُ شَرُّهٗ:

(بحوالہ مجمع الزوائد کتاب البرّ والصلة باب فیمن یرجیٰ خیرهٗ وخیر الناس و شرارهم جلد ۸ ص ۱۸۳- طبع دارالکتاب بیروت طبع دوم ۱۹٦۷ء)

باسمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حسنِ اخلاق کی تعلیم ہم کو دی ہے، اس میں امانت، پاس عہد، وعدہ نبھانا اور راہِ خدا میں دینا نمایاں ہیں۔ عطاء (دینا) کا مطلب اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دیا ہے اس کو فراخی وفیاضی اور سخاوت کے ساتھ، اللہ کی امانت سمجھ کے دوسروں کو دینا اور دوسروں پر خرچ کرنا ہے۔ تعلیمات نبویؐ کے مطابق دینے اور خرچ کرنے سے مراد صرف مال و دولت نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی وسعت ہے۔ اس میں بندوں کی کسی بھی طرح سے مدد کرنا، سواری پر سوار کرا دینا، سامان اٹھا کر رکھ دینا، ڈول میں پانی ڈال دینا، راستے سے پتھر یا کوئی رکاوٹ دور کر دینا، اچھی بات کہنا، یہاں تک کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو ضرر، تکلیف یا نقصان پہنچانے سے روکنا، یہ سب بھی دینا، خرچ کرنا یا صدقے کی تعریف میں آتے ہیں۔

سخاوت کا ایک پہلو اور ہے اور وہ ہے معاف کر دینا۔ بظاہر معاف کر دینے کا تعلق مال دینے سے نہیں ہے لیکن یہ دل کی کشادگی، فراخی اور سخاوت ہی ہے جو ہمیں اس مقام تک پہنچاتی ہے کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے، اللہ کا دیا ہوا ہے، اسے اپنے تک محدود نہ رکھیں بلکہ دوسروں کو بھی دیں۔ اسی فیاضی، فراخی اور سخاوت کا تقاضا ہے کہ اگر کسی سے کوئی قصور سرزد ہو جائے، یا کسی سے کوئی تکلیف پہنچے، یا کسی کو آدمی قرض دے تو وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معافی، سہولت اور آسانی کی روش اختیار کرے۔

یہ حدیث جو اس وقت پیش نظر ہے فیاضی، فراخی، سخاوت اور قصور معاف کر دینے کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے مضامین مختلف احادیث کے اندر، تقریباً حدیث کی تمام کتابوں میں، مختلف روایات میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جیسا آپؐ پسند فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں برے وہ لوگ ہیں جو خدمت کریں تو صرف اپنی کریں، اور جو ان کا خادم اور غلام ہو، اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں۔ اور جو کچھ وہ دے سکتے ہیں اس کو روک کر رکھیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں اس سے بھی زیادہ برے لوگ کون ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے کہا: ہاں ضرور اگر آپ چاہیں اے اللہ کے رسولؐ۔ آپؐ نے فرمایا: وہ آدمی جو لوگوں کو ناپسند کریں اور لوگ ان کو ناپسند کریں، جن کو لوگوں سے کراہت آئے اور لوگوں کو ان سے کراہت آئے، جو لوگوں سے دشمنی رکھیں اور لوگ بھی ان کو دشمن سمجھیں اور ان سے دشمنی رکھیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا میں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برے لوگ کون ہیں؟

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ اگر آپ چاہیں تو ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو کسی دوسرے کی خطا سے درگزر نہیں کرتے، کوئی معذرت یا عذر قبول نہیں کرتے اور کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرتے اور اس پر پردہ نہیں ڈالتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں اس سے بھی زیادہ برا آدمی کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ضرور اے اللہ کے رسولؐ اگر آپ پسند فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: جس سے بھلائی کی امید نہ رکھی جائے اور جس کے شر سے لوگ محفوظ نہ ہوں۔ (طبرانی)

یہ حدیث بڑی جامع حدیث ہے لیکن اس کا بنیادی مضمون ایک ہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ فیاضی کا سلوک کرے، خود غرض نہ ہو، صرف اپنے لیے ہی نہ جیئے، بلکہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس کو روکنے، جمع کرنے اور گن گن کر رکھنے کے بجائے اللہ کی راہ میں دے۔ مال بھی دے، حسنِ سلوک بھی سے پیش آئے اور قصور بھی معاف کرے۔

آپؐ نے نہایت دلچسپ پیرائے میں اپنی بات کا آغاز کیا اور سوالیہ انداز میں صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ برے کون ہیں؟ پھر آپؐ نے وضاحت فرماتے ہوئے سب سے پہلے یہ بات فرمائی: اَلَّذِیْ یَنْزِلُ وَحْدَہٗ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اترتا ہے تو اکیلا لیکن اترنا، مہمان ہونا بھی ہوتا ہے اور میزبانی کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ عربی کا ایک محاورہ ہے: اَلَا تَنْزِلُ بِنَا، کیا آپ ہمارے مہمان نہیں ہوں گے، یا ہمارے پاس نہیں ٹھہریں گے، یا ہمارے پاس نہیں اتریں گے۔ لہٰذا کسی کے پاس اترنا اس کا مہمان بننا ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا مال، اس کا کھانا پینا، اس کی اپنی توجہ، سب کچھ اپنی ہی خدمت کے لیے مختص ہوتے ہیں، اور وہ خود ہی اپنا مہمان بنا رہتا ہے۔ اس کو ہر وقت یہی فکر لگی رہتی ہے کہ میں کیا کروں، کیا کماؤں، خود کیا کھاؤں اور بچوں کو کیا کھلاؤں۔ اس کے پیشِ نظر

صرف اس کی اپنی ہی ذات ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے ایک شخص کے اپنے خادم یا ملازم سے، جو اس کے لیے کام کرتے ہیں، اس سے اس کے رویے کا ذکر فرمایا۔ یہاں عَبْدَہٗ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو غلام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جب غلامی کا رواج نہ رہے تو یہ لفظ خادم کے لیے بھی استعمال ہوگا اور خادمین میں وہ بھی آئیں گے جو نوکر ہوں، وہ بھی جو دفتر میں ملازمت کرتے ہوں اور وہ بھی جو کارخانوں میں کام کرتے ہوں اور وہ بھی جو زیردست ہوں۔ یجلدُ کے معنی ہیں کہ جوان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں، مارتے بھی ہیں، برا بھلا بھی کہتے ہیں اور کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر سزا بھی دیتے ہیں۔ جو زیردست ہوں، ان کے ساتھ ان کا برتاؤ سختی درشتی اور مارنے پیٹنے کا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ برا معاملہ کرتے ہیں اور ان کو گالی دیتے، ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور پھٹکار دیتے ہیں۔ یہ ان کا وہ سلوک ہے جو وہ اپنے خادموں کے ساتھ یا جو زیردست ہوں ان کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔

وَیَمْنَعُ رِفْدَہٗ اور اپنے عطایا اپنے دینے کو روک کر رکھتا ہے، اور جو اللہ نے مال دیا ہے، اس میں سخاوت اور فیاضی کے ساتھ دوسروں کا حصہ ادا نہیں کرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث ایک خاص ترتیب سے چلتی ہے۔ خود غرضی، دوسروں کے ساتھ برا سلوک، ان کو حقیر سمجھنا اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس کو روک کے رکھنا، یہ بنیادی خامیاں ہیں جن کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن جب یہ بڑھ جائیں تو برائیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں اور آدمی اور بُرا ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ کیا میں تمھیں اس سے بھی برے

آدمی کے متعلق نہ بتاؤں؟ یہ آپ ؐ کی تعلیم کا ایک انداز تھا۔ یہ ایک انداز تعلیم و تربیت ہے کہ سوال کرنا، جواب دینا، لوگوں کو متوجہ کرنا، مختصر بات کرنا، بات کو دل میں اتار دینا اور ایسے انداز میں کہہ دینا کہ آدمی اس کو سمجھ بھی جائے، متاثر بھی ہو اور اس پر عمل کے لیے بھی آمادہ ہو جائے۔

اس سوال کے جواب میں صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ضرور بتایئے، حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جو لوگوں سے کراہت رکھتا ہو، ان کو برا سمجھتا ہو اور لوگ بھی اس کو برا سمجھتے ہوں۔ جب آدمی لوگوں کا احترام نہ کرے، ان کی عزت نہ کرے، ان کی خدمت نہ کرے، ان سے محبت نہ کرے تو لوگ بھی اس سے محبت نہیں کرتے ہیں۔ جب لوگوں سے دشمنی رکھی جائے تو لوگ بھی دشمنی رکھتے ہیں، خواہ یہ دشمنی آدمی اپنے قریبی لوگوں سے رکھے یا اپنے گھر والوں سے، اپنے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے رکھے یا اپنے محلے والوں سے۔ یہ رویہ خود غرضی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی شخص دوسروں کی مدد سے اپنے آپ کو روک کر رکھے گا، جو لوگ بھی اس کے زیر دست آجائیں، ان کے ساتھ وہ برا سلوک کرے گا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ لوگوں کو ناپسند کرتا ہے تو لوگ بھی اس سے محبت نہیں کریں گے بلکہ اس سے دشمنی رکھیں گے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑھ کر برے لوگ وہ ہوں گے جو کسی سے اگر کوئی خطا ہو جائے، یا کوئی ایسی بات کہہ دے جو ناگوار گزرے اور وہ شخص معافی طلب کرے اور عذر پیش کرے مگر اسے معاف نہ کیا جائے۔

غصے کو پی جانا اور معاف کر دینا اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا، دونوں صفات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اکثر احادیث میں ان کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے اور یہ مسلم کی روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اللہ کی راہ میں صدقہ دینے سے کسی کا مال کم ہوتا ہو۔ مگر ہمیں تو یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر ہم نے مال دے دیا تو ہمارے پاس کیا رہے گا اور کیا بچے گا۔ مگر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہو اور اللہ نے اس کا مال کم کر دیا ہو۔ اسی طرح ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے کسی کو معاف کیا ہو اور اس کی عزت میں کمی آئی ہو بلکہ اللہ اس کی عزت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ درحقیقت معاف کرنے میں ناک اور انا کا سوال آڑے آجاتا ہے اور عزت پر حرف آنے لگتا ہے۔ آدمی یوں سوچنے لگتا ہے کہ میرے خلاف تو یہ یہ کچھ کہا گیا، اب اگر میں نے بدلہ نہیں لیا تو میری ناک کٹ جائے گی، میری آن پر حرف آجائے گا۔ حضورؐ نے اس بات کی نفی کی ہے اور فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی راہ میں مال دینے یا صدقہ کرنے سے مال میں کسی قسم کی کمی آتی ہے، یا کسی کو معاف کر دینے سے کسی کی عزت میں فرق آتا ہے، بلکہ اللہ اس کی عزت میں بھی اضافہ کرتا ہے اور مال میں بھی۔ گویا یہ ہدایت کی جارہی ہے کہ مال دو، مال میں اضافہ ہوگا، اور معاف کرو، تمھاری عزت میں اضافہ ہوگا۔ آدمی اگر تواضع اختیار کرے اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پست رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرماتا ہے۔ جو معاف کرتا ہے، اس کی عزت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ یہ تینوں باتیں، یعنی معاف کر دینا، راہ خدا میں مال دینا اور تواضع اختیار کرنا، مسلم کی ایک حدیث میں ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔

لہٰذا یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں مال دینا اور بندوں کو معاف کرنا، یہ دونوں اصل میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی صفات ہیں۔

معافی کی بنیاد جہاں دل کی فراخی اور دل کی وسعت ہے، وہاں اللہ کی مغفرت کی توقع بھی ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر اس پہلو کو کھول کر بیان کیا گیا۔ وہاں اگر ایک

طرف اللہ کی رضا کے لیے بھاگ دوڑ کرنے اور اس کی مغفرت طلب کرنے والوں کا ذکر آیا ہے اور ان کی ایک نمایاں صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ غصے کو پی جانے والے اور دوسروں کے قصور معاف کر دینے والے ہیں، تو دوسری طرف اگلی ہی آیت میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ بھی تمھارے گناہ معاف کر دے۔

ایک طرف تو انسان کی یہ روش ہے کہ دن میں ہزار گناہ کرتا ہے، صبح سے شام تک کتنی ناشکریاں اور ناقدریاں کرتا ہے، مگر اس کے بعد ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اللہ سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اسے معاف کر دے گا۔ دوسری طرف اگر کوئی انسان ایسا کام کر گزرے جو ناگوار ہو، مزاج پر گراں گزرے تو آدمی اس کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھارے گناہ معاف فرمائے۔ لہٰذا جو آدمی اللہ کے سامنے عاجز، گنہگار اور فقیر ہے اور اپنے گناہ معاف کروانے کے لیے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہوتا ہے، وہ ان بندوں کو کیسے دھتکار سکتا ہے جو اس سے معافی کے درخواست گزار ہوں۔

اس بات کی اہمیت کے پیش نظر بہت سی احادیث اور روایات میں معاف کرنے اور درگزر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ جو تم کو نہ دے اور محروم کرے اس کو دو، جو تم سے کٹے اس سے جڑو، جو تمھارے ساتھ زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔

مختلف احادیث میں ان تین صفات کے ساتھ اور بہت ساری چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ یہ صفات اخلاق میں سب سے زیادہ مکرم ہیں۔ اکرم الاخلاق یہ ہے کہ آدمی کے اندر یہ صفات موجود ہوں۔ پھر فرمایا کہ جو ایسا کرتا ہے اور ان صفات سے متصف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی مغفرت بھی کرتا ہے اور اس کے درجات بھی

بلند فرماتا ہے، وہاں وہ جو کچھ چاہیں گے انہیں ملے گا اور وہ ہستی ان کی ضیافت کرے گی جو غفور اور رحیم ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کی یہ مختصر سی زندگی امن وسکون اور چین ومحبت کے ساتھ گزرے تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسرے کے لیے وقف کر دے، دوسروں کے لیے جیئے اور معافی کی روش اختیار کرے۔ قرآن مجید نے اس کے لیے یہی نسخہ پیش کیا ہے کہ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اے نبیؐ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے''۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۳۴) گویا اگر کوئی براسلوک کرے، برا بھلا کہے اور اس کے جواب میں آدمی صبر وحوصلے سے کام لیتے ہوئے بھلی روش ہی اپنائے تو دشمنی دوستی میں بدل جائے گی اور وہ جگری دوست بن جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ صبر تو یہ ہے کہ کوئی زیادتی کرے (براسلوک کرے) تو آدمی اس پر صبر اختیار کرے اور برائی کا جواب بھلائی سے دے۔ دوسری بات یہ کہ اگر کوئی تکلیف پہنچائے تو آدمی اس کو معاف کر دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ زندگی کے اندر امن وسکون اور چین دے گا، اور دشمنوں کے دل نرم کر دے گا اور ان کو بھی دوست بنا دے گا۔

اس ضمن میں نبی کریمؐ کا اسوہ پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ کے وہ تمام دشمن جنہوں نے برسوں دشمنی کی، آپؐ کی جان کے درپے ہوئے، آپؐ کو آپ کے گھر سے نکالا، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپؐ کو پتھروں سے لہولہان کیا، آپؐ کے وندان

مبارک شہید کیے، وہ سب آ کر آپؐ کے غلام بن گئے۔ یہ آپؐ کی اسی روش کی وجہ سے تھا کہ آپؐ نے برائی کا جواب بھلائی سے دیا اور غلطی کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیا۔

مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ یہ نبوت کا دسواں گیارھواں سال تھا اور مکہ کے تمام سہارے ختم ہو چکے تھے۔ حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ فوت ہو چکی تھیں۔ اہل مکہ میں اب کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ اپنی اپنی جگہ لوگ فیصلہ کر چکے تھے، یعنی جو مخالفت پر تھے وہ مخالفت پر تلے بیٹھے تھے، اور جن کو ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے تھے، ایسے میں آپؐ طائف گئے کہ وہ ایک نئی سرزمین ہے، شاید وہاں کوئی دعوت کو قبول کر لے اور آپؐ کو وہاں کوئی ٹھکانہ میسر آ جائے اور آپؐ وہاں رہ کر دعوت کا کام کر سکیں۔

طائف کے تینوں سرداروں نے آپؐ کو انتہائی حقارت اور ذلت آمیز سلوک کے ساتھ ٹھکرا دیا، برا بھلا بھی کہا اور نہ صرف یہ کہ مذاق اڑایا بلکہ آپؐ کے پیچھے بازاری لونڈے لگا دیئے جنھوں نے آپؐ کو پتھر مارنے شروع کر دیے۔ آپؐ کے جسم مبارک سے خون بہنے لگا۔ یہاں تک کہ خون آپؐ کے نعلین مبارک (جوتوں) میں جم گیا۔ تکلیف سے آپؐ نڈھال ہو گئے۔ ایک عیسائی غلام نے آپ کو باغ میں پناہ دی، آپؐ کے زخم دھوئے اور آپؐ کو انگور پیش کیے۔

روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد جب آپؐ آگے بڑھے تو ابر کا سایہ ہو گیا۔ آپؐ نے سر اٹھا کر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے کہا کہ آج آپؐ کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے دیکھا ہے اور اس نے آپؐ کے لیے میرے ساتھ پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپؐ جو حکم دیں گے وہ آپؐ کی تعمیل کرے گا۔ پھر پہاڑوں کے فرشتے

نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اگر آپؐ کہیں تو میں طائف کی وادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔ بتائیے اتنے بڑی قوت کس کے پاس ہے۔ اگرچہ آپؐ کے پاس کوئی ایٹم بم، توپ و تفنگ اور بندوقیں تو نہیں تھیں لیکن فرشتہ آپؐ کے حکم کا منتظر تھا کہ جنہوں نے آپؐ کو پتھر مارے، خون بہایا، گالیاں دیں، دھتکارا، اور دعوت کو قبول نہیں کیا، اگر آپ حکم دیں تو دو پہاڑوں کے درمیان اس پوری بستی کو پیس ڈالے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ شاید ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو میری دعوت کو قبول کرلیں۔ یہی وہ معافی کی روش تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک وقت آیا کہ طائف کے لوگ بھی ایمان لے آئے اور پورا عرب آپؐ کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ نبی کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان معاملات میں جہاں ہم معافی کا تصور بھی نہیں کر سکتے وہاں بھی آپؐ نے عفوودرگزر کی روش اختیار کی۔

صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ نے جب اس معاہدے کی خلاف ورزی کی تو آپؐ نے خاموشی کے ساتھ مکہ کو فتح کرنے کی تیاری شروع کردی۔ آپؐ کا خیال تھا کہ مکہ پر اچانک حملہ آور ہوا جائے تاکہ مکہ جیسی پرامن جگہ پر خون خرابہ نہ ہو اور حرم پر قبضہ کرنے کے لیے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہانا پڑے۔ یہ آپؐ کا منصوبہ تھا اور آپؐ نے خاموشی سے تیاریاں شروع کردیں۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک صحابی تھے۔ انھوں نے مکہ میں اپنے عزیز و اقارب کے تحفظ جان و مال کے پیش نظر ایک پرچے پر یہ لکھ کر کہ حضورؐ مکہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور تم اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، ایک عورت کو دیا کہ اس کو مکہ پہنچادے۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر بذریعہ وحی دے دی کہ یہ عورت مکہ پیغام لے کر جارہی ہے۔ آپؐ نے اسے گرفتار کرنے کے لیے دو اصحاب حضرت علیؓ اور ایک اور صحابیؓ کو بھیجا۔ انھوں نے راستے میں اس عورت کو پکڑ لیا۔ پہلے تو اس نے انکار کیا مگر جب انھوں نے اس کو

ڈرایا دھمکایا تو اس نے پرچہ نکال کے دے دیا اور وہ پرچہ لے کر آ گئے۔ اب بارگاہ نبویؐ میں مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت عمرؓ نے فوراً کہا یا رسولؐ اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا صبر کرو! پھر حضرت حاطبؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضورؐ نے انھیں بلایا اور پوچھا: حاطبؓ تم نے یہ کیوں کیا؟ انھوں نے کہا کہ میں بڑا کمزور اور بے سہارا آدمی ہوں۔ میرے علاوہ یہاں باقی جتنے لوگ ہیں مکہ میں ان سب کے رشتہ دار ہیں جو بڑے بااثر ہیں۔ وہ ان کے تحفظ کا سامان کر لیں گے۔ میں نے سوچا کہ آپؐ تو اللہ کے حکم سے جا رہے ہیں اور آپؐ کی فتح میں کوئی شک نہیں ہے اور میری اس کوشش سے آپؐ کی فتح میں کوئی کمی نہیں آئے گی لیکن اس طرح میرے کمزور رشتہ دار اپنی جان بچا لیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا: انھوں نے سچی بات کی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی بات کو رد کر دیا اور فرمایا: عمر تمھیں پتہ نہیں کہ یہ بدری ہیں، غزوہ بدر میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے بدر والوں کے دل میں اخلاص رکھا ہے ان کی نیت ٹھیک ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے گناہ قابل عفو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا ہے (بخاری)۔ اس پر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ اپنی بات پچھتائے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بردباری سے معاملات کی تحقیق فرماتے اپنے اصحاب سے مشفقانہ سلوک فرماتے، حسنِ ظن سے کام لیتے اور ان کے مقام و مرتبہ اور کام کی نوعیت کا پورا پورا خیال رکھتے اور انھیں معاف کر دیتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح فرما دیتے کہ یہ معافی کے مستحق ہیں۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آپؐ کی یہی روش تھی۔ لوگ آپؐ کو

تکلیف دیتے تھے، طعنے دیتے تھے، تنگ کرتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، دشمن اور منافق آتے تھے، یہودی آتے تھے جن کی دشمنی اور منافقت کا آپ کو علم ہوتا تھا، مگر کبھی آپؐ نے سختی سے کسی کو جواب نہیں دیا۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر آپ کو السلام علیکم کی بجائے اسام علیکم کہا تو آپ نے کہا کہ اے عائشہ اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی ہی پر ساری بھلائی موقوف ہے۔ نرم رویہ اختیار کرو، سختی مت کرو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپؐ کے خادم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ دس سال تک میں نے آپؐ کی خدمت کی لیکن آپؐ نے کبھی کسی بات پر آف تک نہیں کہا اور یہ تک نہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور وہ کیوں نہیں کیا؟ دس سال کے عرصے میں آپؐ نے کبھی ایک دفعہ بھی مجھ سے شکایت نہیں کی۔ معافی اور درگزر کے بے شمار پہلو ہیں۔ اس کا کوئی ایک مخصوص پہلو نہیں ہے۔ یہ تو دشمنوں کے ساتھ بھی ہے اور دوستوں کے ساتھ بھی، گھر کے اندر بھی ہے اور باہر بھی، ملازمین کے ساتھ بھی ہے اور محلّہ والوں سے بھی۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے یا وہ کوئی ایسی بات کہہ دے جو ناگوار ہو، یا کوئی کام ایسا کر گزرے جو ناپسند ہو، تو اس کو معاف کر دینا ہی فیاضی اور سخاوت ہے۔ جس طرح مال دنیا فیاضی اور سخاوت ہے، اسی طرح معاف کر دینا بھی فیاضی اور سخاوت ہے۔

اس کا ایک پہلو قرض دینے سے متعلّق بھی ہے۔ ہمارے ہاں قرض مانگنے والے بھی ہیں اور ضرورت مند بھی۔ قرض دینے اور لینے کا ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح کا تجربہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر تم چھوڑ سکتے ہو تو قرض کو معاف کر دو، ورنہ مہلت دو۔ احادیث میں تو اس کی اتنی تاکید ہے اور اس پر اتنی

احادیث ہیں کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

ایک روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص تھا جب وہ مر گیا تو فرشتوں نے اس سے پوچھا تم کچھ عمل کما کے لائے ہو؟ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں قرض دیا کرتا تھا تو اپنے نوکروں اور خادموں سے کہا کرتا تھا کہ جو قرض ادا نہ کرسکتا ہو اس کو مہلت دو۔ جتنا وہ آسانی کے ساتھ دے سکتا ہو اتنا لے لیا کرو، اور جس کے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہ ہو اس کو یا تو معاف کر دو یا اس کو جتنی مہلت وہ مانگتا ہو دے دو۔ اے اللہ! میں یہ صرف اسی امید پر کرتا تھا کہ جس طرح میں اپنے قرض داروں کو چھوٹ دیتا ہوں، معاف کرتا ہوں اور مہلت دیتا ہوں، اسی طرح تو بھی مجھے معاف کر دے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی قرض داروں کو معاف کر دیں، انھیں سہولت دیں اور جو لوگ غلطی کر بیٹھے ہوں ان سے صرفِ نظر کریں۔ مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ اگر کوئی تکلیف پہنچائے تو بدلہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔ بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے۔ اس لیے کہ یہ کہنا کہ آدمی ہر صورت میں معاف کر دے، یہ انسانی فطرت، انسانی معاشرے اور باہمی تعلقات کے خلاف بات ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ۴۲:۴۰)

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔

قرآن نے کہا کہ ہاں، برائی کا بدلہ لے سکتے ہو لیکن اس کے برابر جتنی تم سے زیادتی ہوئی ہو۔ یہ برابر کے بدلے کی شرط ایسی ہے کہ آدمی جتنا بھی سوچے اندازہ نہیں کر سکتا ہے کہ برابر کا بدلہ آخر کیا ہوگا۔ مال میں تو آدمی تول کے دیکھ سکتا ہے کہ برابر کا بدلہ کتنا

ہے۔ ۱۰۰ روپے کے بدلے میں ۱۰۰ روپے لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نے مارا تو کتنی چوٹ لگی، اگر کسی نے گالی دی تو کتنی ذلت ملی، اور اس کے جواب میں اگر گالی دی گئی تو دوسرے نے کتنی ذلت اٹھائی، اس کا کوئی وزن ہم دنیا کے اندر نہیں کر سکتے۔

ایک صحابیؓ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ میرے غلام اور نوکر ہیں۔ یہ خیانت بھی کرتے ہیں اور برا بھلا کام بھی۔ اس کے جواب میں، میں بھی ڈانٹ ڈپٹ کر لیتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں۔ میرا ان کا کیا معاملہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں اور ان کے اعمال ان کے لیے۔ جو کچھ انھوں نے کیا اس کا حساب وہ دیں گے، اور جو کچھ تم نے کیا اس کا حساب تم دو گے۔ اگر یہ دونوں برابر ہوئے تو تم چھوٹ جاؤ گے لیکن اگر جو کچھ تم نے ان کے ساتھ کیا وہ زیادتی ہوئی تو پھر تمھیں اس کا بدلہ قیامت کے روز دینا پڑے گا۔ یہ سن کر وہ صحابیؓ اپنے آپ کو پیٹنے لگے اور کہنے لگے پھر تو میں تباہ ہو گیا۔ یہ کیسے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بدلے میں کس نے زیادتی کی۔ پھر وہ چلے گئے۔ اس کے بعد واپس آ کر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ میں ان سب کو آزاد کر دوں۔ کیونکہ میں نہیں جان سکتا کہ بدلے میں کس نے کتنی زیادتی کی۔ میں اللہ کے سامنے اس طرح نہیں جانا چاہتا کہ میں نے زیادتی کی ہو۔ لہٰذا بدلہ لینے کی اجازت ضرور ہے لیکن یہ اس پابندی کے ساتھ ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے یہ کہنے کے بعد کہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ۴۲: ۴۰)۔ یعنی کہ ''برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''، معاف کرنے کی ترغیب دی ہے: وَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (۴۲: ۴۰) ''پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔''

معاف کرنے کا اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ پھر عذر قبول کرنے کا حکم ہے اور یہ کہا گیا کہ اگر تمھارا بھائی کوئی عذر پیش کرے کہ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی یا اس وجہ سے بات منہ

سے نکل گئی، مِحِقًّا اَوْ مُبْطِلاً، یعنی وہ سچا ہو یا جھوٹا، اس کو قبول کرو۔

اگر کوئی کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کر لے یا ناجائز ٹیکس لے، اس حوالے سے احادیث میں اس کی کڑی سزائیں بتائی گئی ہیں لیکن اس کی اجازت نہیں ہے کہ آدمی کسی کا عذر قبول نہ کرے۔ کسی سے خفا ہو کے تین دن سے زیادہ تعلقات کو ترک کر دینا جائز نہیں۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ کسی مسلمان بھائی کے لیے اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ یہ جائز نہیں کہ وہ سلام کرے تو منہ پھیر لیا جائے۔

ایک روایت کے مطابق جمعرات کو سب کے اعمال خدا کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ تمام گناہ بخش دیتا ہے لیکن جو آدمی دوسرے آدمی سے ناراض ہو یا دشمنی رکھتا ہو، اس کے لیے وہ فرماتا ہے کہ اس کو دو دن کی مہلت دو۔ اگر یہ دو دن میں اپنے معاملات کو ٹھیک کر لے، معاف کر دے، اصلاح کر لے تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ قابل معافی نہیں ہے۔

ہمارے ہاں جو یہ روش پائی جاتی ہے کہ بول چال نہیں ہے، مہینوں گزر گئے اور ترک تعلق ہے، اس کی کوئی گنجائش اسلام میں نہیں ہے۔

معاف کر دینے کے ضمن میں ایک اور اہم پہلو ہے جو ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے اور جسے حضورؐ نے بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور بیٹھے بیٹھے آپؐ اچانک مسکرائے اور اتنا مسکرائے کہ سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے۔ حضورؐ با آواز بلند قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے۔ آپؐ کی مسرت و خوشی کی انتہا یہ تھی کہ

آپؐ اس طرح ہنستے تھے کہ دانت صاف دکھائی دیتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر ہمارے ماں باپ قربان اور فدا ہوں، آپ کو کس چیز نے ہنسا دیا؟ حضرت عمرؓ نے بھی یہ سوال کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آخر کس چیز نے آپ کو خوش کیا کہ آپ مسکرا دیے؟

آپؐ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری امت کے دو آدمی اللہ کے حضور اپنا مقدمہ لیے زانو سے زانو لگائے ہوئے، اس کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک آدمی نے کہا اے رب! اس نے میرے اوپر ظلم کیا۔ اس کا بدلہ مجھے یہاں دلوائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ تمھارے بھائی سے میں تمہیں کیا بدلہ دلواؤں، اس کے پاس تو کوئی بھی نیکی نہیں ہے کہ میں کچھ نیکیاں لے کر تمہیں دے دوں۔ اس نے کہا پھر میرے گناہ لے کر اس کے اوپر ڈال دیں۔ یہ کہنے کے بعد حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بڑا عجیب دن ہوگا کہ جہاں آدمی کے لیے یہ بات بھی بڑی غنیمت ہوگی کہ وہ گناہوں کا جو بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر لایا ہے، اس میں کچھ کمی ہو جائے۔

جب مدعی یہ کہے گا کہ اگر اس کے پاس دینے کے لیے نیکیاں نہیں ہیں تو آپ میرے کچھ گناہ لے کر اس کے حوالے کر دیجیے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اچھا! تم ذرا نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھو۔ وہ نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھے گا کہ ایک بڑی ہی عمدہ جگہ ہے۔ اس کے اندر سونے کے مکانات ہیں جو موتیوں سے مرصّع ہیں اور وہاں ہر قسم کی نعمتیں ہیں۔ وہ کہے گا کہ یہ کس کا محل شاید یہ کسی نبی کا ہے، کسی صدیق کا ہے یا کسی شہید کا ہے۔ یہ اتنا اعلیٰ مقام ہوگا کہ اس کے ذہن میں یہی آئے گا اتنا اعلیٰ درجہ تو کسی نبی، صدیق یا شہید کو ہی مل سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو اس کی قیمت ادا کرے گا اس کو یہ مل سکتا ہے۔ اس نے

پوچھا کہ اس کی قیمت کون دے سکتا ہے؟ کس کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ اس کی قیمت ادا کر سکے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر تو چاہے تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ وہ کہے گا کہ میرے پاس کیا رکھا ہے کہ قیمت دے سکوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر تو اس بندے کو معاف کر دے تو تجھے یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں پھر اس کو معاف کرتا ہوں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جنت میں داخل کر دیا۔

آج اس دنیا میں جو آدمی معاف کرے گا، معافی کی روش پر چلے گا، قیامت کے دن اس کے لیے بخشش بھی ہے اور نہایت بلند درجات بھی۔ مگر اس کے لیے دل کی کشادگی اور وسعت قلبی ہونی چاہیے۔ اسی سے جیب بھی کھلتی ہے، اسی سے برتاؤ میں فیاضی آتی ہے اور حقوق کے معاملے میں بھی آدمی کم لینے پر راضی ہو جاتا ہے اور زیادہ دینے پر اصرار کرتا ہے۔ اسی سے زندگی کے اندر احسان، محبت، چاشنی، مٹھاس اور شیرینی اور اس زندگی کا حسن و جمال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا فیاضی اگر ایک طرف راہ خدا میں مال دینا اور صدقہ کرنا ہے اور ہر قسم کی نیکی کرنا ہے، تو دوسری طرف لوگوں کی غلطیوں کو کھلے دل سے معاف کرنا اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرنا بھی ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم کھلے دل سے دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں۔



جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے، اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جیسا آپؐ پسند فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں برے وہ لوگ ہیں جو خدمت کریں تو صرف اپنی کریں، اور جو ان کا خادم اور غلام ہو، اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں۔ اور جو کچھ وہ دے سکتے ہیں اس کو روک کر رکھیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں اس سے بھی زیادہ برے لوگ کون ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے کہا: ہاں ضرور اگر آپ چاہیں اے اللہ کے رسولؐ۔ آپؐ نے فرمایا: وہ آدمی جو لوگوں کو ناپسند کریں اور لوگ ان کو ناپسند کریں۔ جن کو لوگوں سے کراہت آئے اور لوگوں کو ان سے کراہت آئے، جو لوگوں سے دشمنی رکھیں اور لوگ بھی ان کو دشمن سمجھیں اور ان سے دشمنی رکھیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا میں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برے لوگ کون ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ اگر آپ چاہیں تو ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو کسی دوسرے کی خطا سے درگزر نہیں کرتے، کوئی معذرت یا عذر قبول نہیں کرتے اور کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرتے اور اس پر پردہ نہیں ڈالتے۔ پھر آپؐ

نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں اس سے بھی زیادہ برا آدمی کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ضرور اے اللہ کے رسولؐ اگر آپ پسند فرمائیں۔آپؐ نے فرمایا: جس سے بھلائی کی امید نہ رکھی جائے اور جس کے شر سے لوگ محفوظ نہ ہوں۔

(طبرانی)

